"سمط اللآلی" پر تنقید کا جواب

از مولانا عبدالعزیز المیمنی صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

پروفیسر میمن عبدالعزیز صاحب نے جو عہد حاضر میں عربی زبان وادب کے مسلم الثبوت استاذ ہیں اور جن کی عربی تصنیفات وتالیفات ہندوستان سے بدرجہا زیادہ مصر وشام کی علمی مجلسوں میں احترام ووقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، دو سال ہوئے اپنی مایۂ ناز اور ضخیم کتاب "سمط اللآلی" شائع کی تو اس پر جہاں عربی جرائد ورسائل میں بہترین ریویو ہوئے، مولانا ابو عبداللہ محمد بن یوسف السورتی صاحب نے ایک حیرت انگیز تنقید بھی لکھی جو پچھلے دنوں "معارف" اعظم گڈھ کے متعدد اشاعتوں میں شائع ہوچکی ہے۔ مضمون زیر نظر اسی تنقید کا جواب ہے۔ جو جابجا عربی زبان وادب کے قابلِ قدر نکات ولطائف پر مشتمل ہے، اور جو علمائے عربیت کے لیے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث ثابت ہوگا۔ حضرت مجیب کے کلام میں کہیں کہیں تلخی وشوخی پیدا ہوگئی ہے، لیکن جن حضرات نے سورتی صاحب کا مضمون اوّل سے آخر تک پڑھا ہے وہ اس جواب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت کا لازماً اعتراف کرینگے کہ میمن صاحب "جزاءُ سَيِّئةٍ سَيِّئةٌ مِثْلُها" اور "دِنّاهُمْ كما دانُوا" کی حد سے متجاوز نہیں ہوئے ہیں۔ (برُہان)

دو باتیں!

وما كمد الحسنا دشبا أردت ـ ولكن من يزحم البحر يغرق

دلِ مضطر سے پوچھ لے رونق بزم! میں آپ آیا نہیں لایا گیا ہوں

"سورت" کے ایک معروف عالم تاجر کتبِ مخطوطہ ہیں، آپ کا نام نامی مولوی ابوعبداللہ محمد بن یوسف السورتی ہے۔ آپ نے ازخود اپنی تعلیم دہلی اور رام پور میں حاصل کی، ساتھ ہی ساتھ تجارتی مشغلہ بھی جاری رہا، اس لیے آپ اساتذہ کے چنداں مرہونِ منت نہیں اور اس لیے آپ کے علم میں حک و اصلاح اور کاٹ چھانٹ کی کافی گنجائش ہے۔ جب آپ کو ادھر کساد بازاری کا اندیشہ ہوا، کہ آخر ہند کے ذخائر مخطوطات غیر فانی تو تھے ہی نہیں تو آپ نے اپنی عنانِ عنایت کو دیسی عربی مدارس کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا: جامعہ ملیہ، بنارس، اور دہلی کے رحمانیہ و جامع اعظم، مگر چونکہ اپنی تن آسانی اور ناسازگاری مزاج سے مجبور تھے، اس لیے عموماً بنا، روزگار رہتے نہ بنی، متولیوں اور علماء سے بڑے بڑے معرکے جیتے، رسالہ بازی رہی، اور دست و گریباں بھی ہوئے: کہ الحرب بیننا و بینہم سجال۔ اور پھر بالآخر عزلت گزینی پر مجبور ہوئے۔

اس اثنا میں اس ملط سکہ کو چلانے کے لیے ہر نمایاں عالم کے منہ آتے رہے، اور بمقتضائے مثل مپش حکیم ملا الخ عجیب عجیب گل کھلائے، شبلی و سید، مناظر احسن گیلانی، "علماء دائرۃ المعارف"، مولوی محمد جوناگڑھی وغیرہم اور اکثر کے خلاف مضامین بھی لکھے، بلکہ اگر اشد جھوٹ نہ بولئے تو آپ کی (صحیح کرینکو کی) دو کتابوں کے بعد پھر آپ کے یہی مضامین و معارک ہیں "یشیب لہولہا الولید" جن کو آپ کا شاہکار کہا جاسکتا ہے بقول آپ کے:-

تلک آثارنا تدل علینا   فانظروا بعدنا(۱) الی الآثار

آپ نے باوجود دعوئے محدثیت ادب کی دو کتابیں معقول اجرت پر حیدرآباد کے لیے ایڈٹ فرمائی ہیں، و بس! ان دونوں میں آپ کی ڈاکٹر کرینکو سے رسا کشی ہے، جس کی انہوں نے ہر ہندی دوست اور شاگرد سے شکایت بھی کی ہے، بلکہ دمشق کی مجمع علمی عربی کے شہرۂ عالم رسالہ ص ۱۰۷، ۱۹۲۹ء میں اس کا

(۱) چونکہ آپ ہنوز بقید حیات ہیں اس لیے حولنا زیادہ موزوں ہے۔ یوں بھی آپ کے کشتگانِ جفا کے آپ کے گرد پشتے لگے ہوئے ہیں کہ "للقتل حول ابی العلاء مصارع"۔

رونما بھی ہو رہا ہے، عاجز نے دسمبر ۳۷ء میں کتب خانۂ آصفیہ جاکر مسٹر کرینکو کا نسخہ مسروقہ بچشم خود دیکھا، اور گذشتہ ماہ حیدرآباد میں مدیر معارف کو بھی معائنہ کرنے کی دعوت دی۔ کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ! ملاحظہ ہو بذیل دواوین نمبر ۴۳۴۸ فہرست ج ۳ ص ۲۸۴۔ خود نواب عماد الملک مرحوم نے جن کے صرفہ پر یہ چھپا تھا اپنے احباب سے اس امر کی شکایت کی ہے۔

سورتی اور میمن

عاجز جب ۲۰ جون ۳۶ء کو اپنی مصر و استنبول و شام و فلسطین و عراق کی رحلۃ علمیہ سے کامیاب واپس ہوا، اور "سمط اللآلی" شائع کر دی، تو کہیں سے اِن باتوں کی بھنک نہ معلوم کس نیک بخت (شاید مدیر معارف) نے آپ کے مسامع اجلال تک پہنچا دی، پھر کیا تھا اندر ہی اندر کوئی چیز چٹکیاں سی لیتی رہی، جس کو آپ آخر ضبط نہ کر سکے، اور ربا ابن ہذہ بسطۃ فی الجسم کچھ ایسے دل تنگ سے ہوئے کہ ایک چھ صفحے کا خط دھر گھسیٹا، حالانکہ ہمارے مابین سترہ اٹھارہ سال سے کوئی سلسلۂ مراسلت نہیں تھا، اور اس سے پیشتر بھی صفر کے حکم میں تھا، جس میں اس "حج" (بلفظ آنجناب، مراد سفر علمی) کے مبرور ہونے پر دشنام کا ارمغان! اغلاط کا پیشکش، اور ایک "نسخۂ السمط" کے بطور ٹکس نہ ملنے کی شکایت تھی، مگر میں نے بمقتضائے

ما كل قول له جواب　　　جواب ما يكره السكوت

خاموشی اختیار کی۔

آپ کی تنقید سمط

گذشتہ دسمبر میں "مدیر معارف" کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ نے خلاف توقع کہ "مارا ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نبود"، کوئی آٹھ دس ماہ سے ایک طویل تنقیدی مقالہ بغرض اشاعت بھیج رکھا ہے، جس میں میمن کرینکو، اور سید بدرالدین صاحب کے اغلاط فاحشہ قلمبند کیے ہیں اور ہر ایک کو بحصۂ رسدی بطور تاوان گالیوں کا نذرانہ بھی پیش کیا ہے۔ مگر کسی سبب سے کرینکو کو تو صاف بچا لیا گیا، اور جزءِ بدرالدین کو بھی اور میمن کے متعلق چونکہ سخت جانی کا شبہ تھا، اس لیے اُس کو رہنے دیا گیا، حالانکہ اُس عاجز غریب نے تو بطور متطوع (والنظیر) باقی ہر دو[1] کی طرف سے بھی جواب دہی کرنے کے لیے اپنے تئیں پیش کیا تھا، جس طرح

(۱) کہ کرینکو تک تو آپ کی اس صدا بصحرا کی کسی طرح رسائی نہ تھی یوں بھی وہ اُردو سمجھنے سے معذور تھے۔

اب آپ سب صاحبان کی خدمت کرنے کو حاضر ہے۔ مگر اُس کی ایک نہ سُنی گئی۔ بقول مدیر معارف چونکہ مضمون کا ¾ حصّہ وہ کلمات تھے جو اب مہذب سوسائٹیوں میں مُروّج نہیں رہے اس لیے تقریباً آٹھ ماہ تک دونوں کے مابین اس سلسلہ میں مراسلت چلتی رہی، اور بالآخر وہ بدیں شرط آمادہ ہوگئے کہ محض وہ ثقیل کلمات حذف کر دیے جائیں، جو مخل بالمعنیٰ نہ ہوں مگر بقول مدیر موصوف یہ بات مشکل تھی اس لیے کہ مضمون کا انحصار قریباً انہی چیزوں پر تھا۔ چنانچہ ناظرین نے اپریل تا جون کے جو نمبر پڑھے ہیں وہ دراصل اصلاح شدہ شکل میں ہیں۔ عاجز نے بطور اعلام مدیر مذکور کو مختلف ذرائع سے ذہن نشین کرایا کہ اس کی اشاعت سے مطلوبہ فائدہ شاید حاصل نہ ہو سکے،⁽¹⁾ نیز سورتی صاحب کے خط میں کے چند غیر حقیقی اغلاط بھی دکھائے، مگر لا حاصل! آپ نے اُن کے پیہم اصرار اور اپنے نفس کے اندرونی تقاضے سے مجبور ہو کر آخر کار اُن کو شائع کر ہی ڈالا۔

علمارِ ہند کا شغلۂ تنقید

تنقید نہایت اہم اور مفید فن ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں رحم اللہ من اھدی الیّ عیوبی۔ کوئی انسان فرشتہ نہیں، خامی بشر کے ساتھ ساتھ ہے، کہ اوّل الناس اول ناس۔ مگر اس کی شرط اولیں یہ ہے کہ بے محابا (صحیح بے محاباۃ) ہو، محض خدمتِ حقیقت پیشِ نظر رہے، ذاتیات سے دور ہو، اور منتقد کچھ اپنی جان کا بھی محاسبہ کرنے کا خوگر ہو۔ رہا یہ امر کہ یہ باتیں کہاں تک مضمونِ زیر بحث میں پائی جاتی ہیں، سو اس کا اندازہ کرنا ہمارے ناظرینِ کرام کا کام ہے۔

میں اور تنقید

مگر چونکہ سرزمین ہند میں ہنوز مخلص خادمانِ علم کی بہت کمی ہے اس لیے پبلک کا مذاق بھی اُسی تناسب سے منحرف ہے، علمار میں تحاسد و تباغض کی گرم بازاری، اور تنقید کو جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا ایک آلہ بنا لیا گیا ہے وبس! اس لیے تیس سال سے میں نے کسی زندہ انسان پر تنقید نہیں کی، نہ کسی سے اُلجھا، اور الحمد للہ کہ بایں ہمہ مجھے کام کا میدان بہت فراخ نظر آیا۔ مگر بہر حال یہ بات تو کسی طرح میرے بس

(۱) کہ شاید حریف اتنا بودا نہ نکلے۔

میں نہ تھی کہ اوروں کو اپنی تنقید سے باز رکھ سکوں، کہ لست علیھم بمسیطر، گو عربی میں تالیفیں لکھ لکھ کر اپنے تئیں دارالامان میں سمجھ کر قدرے مطمئن سا ہو گیا تھا، مگر اب اپنے ملک کے علمائے نامدار کے اشارے پر چل کر لامحالہ اُن کے ارشاد کی تعمیل کرنا ہو گی۔ چنانچہ اس سلسلہ کی یہ پہلی کڑی حاضر ہے، وَیَتْلُوْہٗ ثانٍ وَثالِث۔ مگر بیرونی دنیا کے علماء کو جو ہر شش ماہی پر ہمیں کی ایک آدھ کتاب دیکھنے کے کچھ عادی ہو گئے تھے جب یہ معلوم ہوگا کہ ہمیں کو دہیں اُلجھا لیا گیا ہے:۔

تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائیست!

اور اُس کو اشخاص کے بُتِ پندار کے توڑنے کی خدمت مفوّض کر دی گئی ہے، تو اُن کے استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہیگی، مگر کیا ہو! لا رادّ لقضاء اللہ۔

فقرہ باز

چونکہ جناب منتقد نے مجھ سے یہی چاہا تھا کہ اُن کے علمی جواب کے ساتھ ساتھ اُن کے بے لگام ریمارکوں کی طرف بھی دیکھتا چلوں، اس لیے اس مضمون کو لامحالہ اُسی حد تک ذاتیات سے لگاؤ ہوگا جتنا کہ بدرجۂ جواب لابدی تھا، پھر بھی میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اُن کے استحقاق کی حدود سے بہت آگے نہ نکل جاؤں ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولٰئك ما علیھم من سبیل۔ پھر بھی اس میں کوئی کلام نہیں کہ آج میں برخلافِ عادتِ جاریہ اُس وادیِ پُرخار میں قدم رکھ رہا ہوں جہاں مجھے جبراً گھسیٹا گیا ہے۔ حوالت با خدا کردیم و رفتیم!

ناظرین سے قبل اس کے کہ وہ زبانِ انکار کھولیں یہ عاجزانہ التماس ہے کہ وہ منتقد کے رندانہ فقروں علی الخصوص عربی امثال و ابیات پر ضرور نظر رکھینگے جو ابتداءً ایک خاموش خادمِ علم کے لیے استعمال ہوئے ہیں، اُمید ہے کہ اُس وقت وہ اس عاجز غریب کو ضرور معذور تصور فرمائینگے کہ البادی اظلم:۔

فلو انی بُلیت بھاشمی(۱)　　خؤولتہ بنو عبد المدان

لھان علیّ ما القی ولکن　　تعالوا فانظروا بمن ابتلانی؟

(۱) مجھ کو اگر کسی ہاشمی سے پالا پڑا ہوتا جس کا ننھال یہ شریف قبیلہ ہوتا تو میں یہ سب تکلیف جھیل لیتا گر ادھر تو دیکھو مجھ کو کس بلا میں پھانسا ہے۔

صدہا اغلاط اور کہ یہ کس کس کے ہیں!

اغلاط بلکہ اقوال خطا میں تو ستر۵ ہیں مگر معارف میں پوری دنیا پر ہاتھ صاف کرکے پچپن تک پہنچائے ہیں اگر یہ ہیں کس کس کے ؟ سو یہ سوال بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ ابوتمام کے متعلق مشہور ہے کہ پہلے اُس نے "باب الحماسۃ"(۱) باندھ دیا، اور پھر چل پڑا، راستہ میں جس جس مضمون کے بھی اچھے ابیات ہاتھ آتے گئے درج کرتا گیا، پھر جب تھک گیا تو وہیں اس باب کو ختم کردیا، اور دوسرا باب شروع کیا، یہی حال آپ کا بھی ہوا ہے، دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ محض پہلے ۵۰ صفحات کے اغلاط ہیں، حالانکہ مقدمہ اور پہلے ۵۰ صفحات کے بعد صفحہ ۵۱ و ۵۲ و ۵۸ و ۷۷ و ۳۱۷ و ۳۸۹ و ۹۱۷ و ۹۲۲ و ۹۲۵ و ۹۲۹، ۹۹۰ پر بھی نظر عنایت ہوئی ہے اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ میری ما اتفق لفظہ ابو العلاء و ما الیہ، مقدمۃ المداخل کو بھی محرومی کی شکایت نہیں رہی، اور پھر میرے ساتھ ساتھ گیہوں میں گھن کی طرح مولوی بدرالدین کی "شرح المختارۃ"، لوئیس شیخو کی "الالفاظ"، گوئیدی کی "الافعال"، "اللآلی"، "الامالی" اور "حاشیۃ اللآلی" بھی پس گئیں۔

علماء سلف جنکی تغلیط کی گئی

ہے وہ بدنصیب علماء سلف وخلف، جو محض اس جرم کی پاداش میں کہ آئندہ چل کر کیوں میرا حریف اُن کا نام لیتا ہے سزایاب ہوئے ہیں، اور اُن پر خاک اُڑائی گئی ہے، تو اُن کی طویل فہرست میں سے چند ایک یہ ہیں، بشمول سورتی و قالی و بکری و میمن :-

ضرار بن القعقاعؓ، قعقاعؓ، حاجبؓ، الجبرؓ، ابراہیم بن الحارثؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، معاویہؓ جو سب صحابہؓ ہیں۔ پھر ابن اسحٰق، ابن ہشام، ہند بنتِ اسماء، انباری، جمحی، ابن الانباری، ابو العلاء، فیروزآبادی، صاغانی، مرزبانی، ابن منظور، سید مرتضیٰ، اصبہانی، ابوزید، بخاری، توحیدی، ابن قتیبہ، ابن درید، ابو عبیدہ، ابن رشیق، بغدادی، طبرانی، بغوی، ابن حجر، عینی، زمخشری، آمدی، ابو ہلال، ابن عساکر، ابن خلکان، تبریزی، ابن عبدالبر، صاحب الکشف، ابن سیدہ، ابن السکّیت، شنقیطی، عبدالغنی الحافظ، جاحظ وغیرہم، پھر لوئیس شیخو، گوئیدی، لیال، بدرالدین وغیرہم۔ اتنوں پر کم و بیش تو محض اس چند صفحات کے مضمون میں ہاتھ صاف کرنے کی نوبت آگئی، اگر کسی بسیط تالیف کی نوبت آتی (ولا قدر اللہ) تو غالباً نسلِ آدم کی پوری

(۱) سخت جانی و شجاعت۔

فہرست آجاتی، اور درحقیقت اس طرح بلا ارادہ آپ کے ہاتھوں پہ علم رجال کی سب سے بڑی خدمت سرانجام پاتی جو اولین و آخرین میں کسی سے نہ بن آئی۔ سچ ہے۔ کم ترک الاول للآخر۔

ماشاء اللہ اگلا پچھلا کوئی عالم آپ کی نگاہ نکتہ نواز میں نہیں جچتا جب اور جس کو جی چاہے نہایت تمسخر آمیز انداز میں دھتکار دیتے ہیں، بشرطیکہ حریف نے اس سے کچھ استناد کیا ہو۔ ورنہ اپنی ضرورت کے لیے تو آپ ہر متاخر کو "حجۃ اللہ فی الارض" بتاتے ہیں۔

آپ کے نشان زدہ اغلاط کا جائزہ

اب میں آپ کے نشان زدہ اغلاط کا جائزہ لیتا ہوں۔ قریباً نصف مضمون یا معارف کے تین نمبروں میں سے ڈیڑھ نمبر تو محض تمہید کی نذر ہو گیا ہے، ازاں بعد تنقید شروع ہوتی ہے، جس کے حسب ذیل نمبروں کا سمط کی تنقید سے کوئی علاقہ نہیں ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ (ح) و ۱۴ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و: ۳ و، ۳ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۹ و ۵۴ و ۵۵۔ ان ۱۸ نمبروں کے بعد کل ۳۷ نمبر بچتے ہیں، جن میں سے حسب ذیل نمبروں میں بجائے میمن کے دراصل علمائے سلف کی تنقید کی گئی ہے۔ ۱۳ و ۱۵ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۵ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۵ و ۴۸ مگر چونکہ میمن والذین اتبعوھم باحسان میں سے تھا، اس لیے اس نے یہ سارے وار بطیب خاطر اپنے اوپر لے لیے، کہ یہ اُن کے علمی احسانوں کی کم از کم جزا تھی، گو وہ ان اقوال کا قائل نہ تھا، اس لیے وہ ذمہ دار بھی نہیں۔ منتقد کی یہ پرانی عادت ہے، جس کے جانے کا اب کوئی امکان نہیں، کہ اوروں کی جو عبارتیں آپ کی کتاب میں کسی طرح بھی آجائیں خواہ بر سبیل استطراد ہی کیوں نہ ہوں جب تک آپ اُن کے قائل کو صریح گالی نہ دیدیں، وہ آپ ہی کے سر منڈھی جائینگی؛ اس لیے آپ مستوجب پاداش ہونگے۔ اب ان سترہ کے بعد محض بیس نمبر بچتے ہیں، جن کا صحیح یا غلط تعلق "سمط" سے ہو سکتا ہے، جو قریباً پورے کے پورے باحتیاط تمام و اہتمام مالا کلام بمقتضائے "مثل کالائے بد بریش خاوند" بیمہ شدہ پارسل کی صورت میں منتقد صاحب کو جو اُن کے حقیقی اہل ہیں بھیج دیے، کہ وہ اُن کو پالیں پوسیں اور اُن کی نسل کی افزائش کریں، اور پھر حفاظت و ضمانتِ سلامت کے طور پر ۹۰ عدد سے

زائد اور اغلاط (سپاہی والنٹیر) جو آپ کی تمہید سے بھرتی کیے گئے تھے، اُن کے ساتھ کر دیے، تاکہ یہ اُن کو خیریت سے منزل مقصود تک پہنچا دیں۔

آپ کی تغلیطا کے چند خصائص

علماءِ شرق و غرب کی عادت ہے کہ اگر کسی کتاب کا کوئی لفظ اپنی جگہ ٹھیک چسپاں نہ معلوم ہو تو کلمہ (کذا) یا (Sic) لکھ دیا کرتے ہیں کہ اس طرح وہ اُس کی تصحیح یا تصحیف کی گراں بار ذمہ داری سے اپنے تئیں عہدہ برآ کر سکیں۔ مگر چونکہ آپ:

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی   کچھ ہماری خبر نہیں آتی

کو سیر علم اور مصطلحات کی خبر نہیں، اس لیے وہ اپنی طرح دوسرے کو بھی مجتہد دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ تیرا عجز ہے، یوں کیوں نہ کیا؟؟؟

آپ کے قاموس میں غلط بمعنے "کچھ نہ کرنا ہے" حالانکہ عام مصطلح میں تو غلط بہرحال ایک کام ہے۔ یہ کتنی مشکل بات ہے کہ ایڈیٹر یا مؤلف ہر خوانندہ کے (ہر چند کہ وہ خوردہ گیری کیوں نہ ہو) جملہ خطرات قلبیہ ہواجس نفسیہ تک پہنچے، یعنے کہ وہ اپنے سینہ میں اُس کا دل پیدا کر کے اُس کی ہر واقعی یا فرضی ضرورت کا تدارک بھی کرے۔ یہ اور اسی قسم کی دلچسپ باتیں ہیں جن کے ذریعہ اغلاط کی خالی فہرست کی خانہ پُری کی گئی ہے۔

آپ کے پاس سلسلۂ انساب قرن پنجم کی دو کتابیں "جمہرۃ النسب" ابن حزم اور "اکمال" ابن ماکولا ہیں، جن کو ہاتھ میں لے کر جملہ متقدمین قرن دوم و سوم کے اقوال کو اس دلیل کی بنا پر رد کر دیا کرتے ہیں، کہ اُنہوں نے ان (متاخر) کتابوں میں کیوں نہ دیکھ لیا۔ یہ نہایت دلچسپ منطق ہے، مگر چونکہ آپ کی تاریخ دانی ماشاء اللہ خارق عادت ہے، اس لیے آپ سب کچھ کر سکتے ہیں، لا یسئل عما یفعل وھم

(۱) مگر اس بات کو باور کر لینا کہ آپ کے جملہ حملے واقعی ہوتے ہیں خطرات سے خالی نہیں کہ آپ کو تصنّف و انتحال کا قدیم عارضہ ہو جس طرح ذیل نمبر ۴ آئیگا کہ سمعانی و ذہبی کے سر آپ نے ناگفتہ باتیں منڈھی ہیں۔

یسئلون، ملاحظہ ہو جواب ص ۲۷۱ و ۲۷۹۔

آپ کی تحریر کا یہ خاصہ ہے کہ خاطر عاطر کو جو بات گوارا نہ ہو، ہرچند کہ وہ جملہ مولفات میں موجود ہو مگر آپ کو بہرحال یہ حق پہنچتا ہے، کہ جب چاہیں اُس کے وجود سے انکار کردیں، اور جب چاہیں مان بھی لیں۔ الغرض آپ چت پڑیں یا پٹ جیت آپ ہی کی ہوگی۔ آپ کا یہ بھی ایک پرانا داؤں ہے کہ پیش ملاؔ گر ابکی یہ حریف بہت سخت جان نکلا ہے، ممکن ہے اُس نے ہمیشہ کے لیے جملہ علماء ہند و سند کی طرف سے بطور فرض کفایہ یہ خدمت سرانجام دے دی ہو، اور اُن کو (اللہ کرے) چھٹرالیا ہو، اس لیے اُن سے دعا خیر میں یاد رکھنے کی التماس ہے۔ کان اللہ لکم علی من ناوأکم۔

ألا لیقل من شاء ما شاء انما　　یلام الفتی فیما استطاع من الأمر

عاجز غریب

میمن عبدالعزیز صدر شعبہ عربی جامعہ اسلامیہ علیگڈھ

جمعہ ۱۹ اگست سنہ ۳۸ء

جواب نمبر اپریل (۱)

(معارف ص ۲۶۵) تنقید کی تمہید اسلامی علوم و فنون کی تدوین کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے جس کے اتھاہ دریا کی پہنائی کو اپنے قلم اعجاز رقم سے دس سطر کے کوزہ میں بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بغداد و نیشاپور و اندلس آخر قرن سوم و آغاز چہارم میں علم کے مرکز تھے"

(۱) بہت خوب! اگر مصر، قیروان، دمشق اور اصفہان وغیرہ بھی تو کچھ پیچھے نہ تھے۔

وما شر الثلاثة ام عمرو　　بصاحبك الذی لا تصبحینا

پھر بغداد کے ساتھ تو قرطبہ موزوں تھا جس طرح اندلس کے ساتھ عراق۔ اگر موزونیت کی چڑیا کو اس تنقید میں پر پھڑپھڑانے کی اجازت مل سکے۔

پھر ملاحظہ ہو: "اواخر قرن سوم و اوائل چہارم میں فنون کی تکمیل و تزئین (؟؟!) ہوئی۔ پھر پنجم و ششم میں بھی بقول آپ کے تحشیہ و تزئین ہی ہوئی"۔

(۲) اس میں لفظ تزئین کی تکمیل و تحشیہ کے ساتھ موزونی اپنی بلاغت کی داد چاہتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب قرون چہارگانہ میں تزئین ہی ہوتی رہی تو بجائے اس تطویل لاطائل کے یہی کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ اسلام کے جملہ عہدوں میں تزئین ہی ہوتی رہی تاکہ تاریخ نویسی کا بار کاتب اور ناظر دونوں پر سے ہلکا ہو جائے ہاں آج کل تزئین بمعنی حجامت کرنا عام طور پر مستعمل ہوتا ہے، اگر ایک جگہ یہ معنی مراد ہوں تو ہمیں کلام نہیں ہے

اعوذ بک رب من حصر وعی	ومن نفس اعالجها علاجا

ص ۲۶ "طریق املا کا گو تفسیر، حدیث، فقہ، ادب وغیرہ میں پتہ چلتا ہے مگر ادبی دنیا میں اس کی بیحد کثرت ہے"

(۳) مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ دونوں ادب ہی ہیں، یہ انداز کوئی اردو کے ساتھ مخصوص نہیں، اس کا جلوہ تو عربی میں بھی پرتو افگن ہے:-

والقول ذو خطل اذا	ما لم یکن لب یعینہ

آگے چل کر افسانوں کی کثرت اور ادب کی بھرمار مگر علمی تالیفات کی قلت کا ماتم کیا ہے، اور لکھا ہے کہ مصر میں بھی بمقابلہ افسانوں کے علمی تالیفات عشر عشیر (سو میں کی ایک) کیا کبریت احمر ہیں۔

(۴) یہ بیان سراپا لغو اور غلو ہے۔ امالی قالی جس ادب پر مشتمل ہے وہ تو بقول آپ کے ص ۲۷ مشکلات قرآن و حدیث و اشعار و اخبار و نوادر ہے، وہ کوئی ڈراما یا جس طرح آپ نے یہاں لکھا ہے فضولیات و خرافات کا مجموعہ نہیں، کیا آپ میں اتنی جسارت ہے؟ کہ کلام پاک اور احادیث نبویہ کو ایسا ناپاک لقب دیں؟

کذا عواک کل یدعی صحۃ العقل	ومن ذا الذی یدری بما فیہ من جہل

بیچارے اصحاب مطابع جن کی ارادی یا غیر ارادی کوششوں سے کتابوں کا یہ گراں قدر انبار آج ہمارے

سامنے ہے۔ اتنی توہین کے قابل تو نہ تھے کیا وہ یہ نہ کہیں گے: کہ حضرت! آپ نے تو دیوان نعمان و بکر کو جو مستشرق کرینکو کا کارنامہ تھا اپنا کر محض ہضم ہی نہیں کر لیا بلکہ عماد الملک مرحوم سے اُس پر ایک رقم خطیر بھی وصول کی اور جمہرہ کی بھی کچھ ایسی ہی دُرگت کی جس کا مرحوم نے ... یار جنگ وغیرہ احباب سے رونا بھی رویا تھا، ادھر خود کرینکو مجلۃ المجمع العلمی میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے۔ "وانتحل نشرہ ابو عبداللہ السورتی و کتب فی عنوانہ أنہ ناشرہ" تو پھر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ ہمارے لیے کسب حلال کو شجرۂ ممنوعہ قرار دیں یوں بھی یہ سفید جھوٹ ہے کہ "مصر کی علمی مطبوعات سو میں کی ایک بالکل العدم ہیں"۔ یہ تو محض سیاہی کی روانی اور بیان کی طغیانی ہے وبس! مگر اچھا جناب! خود آپ نے باایں ہمہ دعوے محدثیت ادب ولغت کو چھوڑ کر حدیث پر کونسا کارنامہ کیا ہے؟ پیش کیجیے! قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

ص ۴۷ "مصر سے البیان کے تین نسخے نکلے"

(۵) لفظ نسخہ عربی اور اُردو ہر دو زبانوں میں بمعنی ایڈیشن نہیں ہے۔ یہ غلطی آئندہ بھی بار بار آئیگی، گویا آپ کو ہنوز یہ نہیں معلوم کہ بسلسلہ اختراع فن طباعت کیا کیا نئے الفاظ وضع ہوئے ہیں؟

"البیان کی اب تک پوری خدمت نہ ہو سکی"

(۶) مگر یہ نری اسکیم بازی اور دوسروں کو کام کے لیے اور اپنے تئیں آرام کے لیے مخلوق سمجھنا آخر کہاں تک!

لا الحلم جاد بہ ولا بمثالہ

کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ خواب میں ہم نے یہ سب کچھ سُن لیا اور وہیں تعمیل بھی کر دی کہ:-

قد سمعنا ما قلت فی الاحلام وأنلناك بدرة فی المنام

وانتبهنا كما انتبهت بلا شيئ وكان النوال قدر الكلام

كنت فيما كتبتہ نائم العيـــن فهل كنت نائم الأقلام

بیدار ہونے کے بعد آپ اور ہم دونوں خالی ہاتھ تھے۔ کیا جناب کا قلم تعمیری کاموں کے لیے خشک ہو گیا ہے

اور دوسروں کے بنے بنائے کاموں کو تباہ کرنے کے لیے ہمیشہ رواں ہے، اگر بالفرض کوئی صاحب ذوق اس مہم کو سر بھی کرلے تو آپ اُس کے کام کو مانیں گے کب! ابنائے وطن کی طرف سے اُس کی قدر افزائی لعن طعن اور سب وشتم ہی سے ہوگی نہ! اسی لیے تو آپ نے اپنا وطیرہ ہر چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا اور خادمانِ علم کے مُنہ پر خاک اُڑانا قرار دیا ہے۔ اور تاہنوز جبکہ زندگی کی آخری منزل میں قدم رکھدیا ہے بجز دہ کاموں کے اور کچھ نہیں کیا، اور وہ بھی سُرخ وسفید کی خاطر، پھر اُن میں بھی سٹر کرنیکو سے رسّاکشی جاری ہے آئندہ اور کیا کرینگے:۔

والشیخ لا یترک اخلاقہ حتی یواری فی ثری رمسہ

"البیان کے برابر مسائل بیان کی جامع اور کوئی کتاب نہیں"

(۷) یہ بات صاف بتاتی ہے کہ آپ کو اس کتاب سے دور کا واسطہ بھی نہیں، کہ مسائل بیان تو اس کتاب کے ایک سو برس بعد عالم وجود میں آئے ہیں۔ البتہ اگر آپ کی کسی جاہلی قاموس میں "مسائل" بمعنی "اقوال فصیحہ" ہوں تو فلا مشاحۃ فی الاصطلاح اذن۔

"عبد الملک بن الزیات وزیر"

(۸-۱۰) اس زمین پر اس نام کا کوئی وزیر نہیں گذرا۔ یہ تو آپ کی تاریخ ورجال کی مہارت کی ایک ادنیٰ سی کرن ہے جس کے بل بوتے پر ہر معقول سے اُلجھنے کے لیے آستینیں چڑھائے ہمیشہ طیار رہتے ہیں۔ کسی طفل مکتب ہی سے پوچھ لیا ہوتا کہ نام محمد بن عبد الملک الزیات ہے جس کو اس طرح مختصر کیا جاسکتا ہے۔ محمد الزیات، ابن عبد الملک الزیات، الزیات۔ مگر آپ نے تو یہاں تین فاحش اغلاط کیے ہیں (ا) وزیر کا نام عبد الملک بتایا جو اُس کے باپ کا نام ہے۔ (ب) الزیات کو عبد الملک کا باپ لکھنا، حالانکہ اُس کے باپ کا نام تو اَبان ہے۔ دیکھو اغانی ۲۰ : ۴۶۔ (ج) زیات (گندھی تیلی) تو خود وزیر کی صفت ہے۔ دیکھو دیوان ابراہیم الصولی بتصحیح العاجز المیمنی نمبر ۲، ۱۰۵، ۱۲۳، ۱۳۵، ۱۸۶۔

"کامل مبرد کی کئی شرحیں مصر و یورپ میں طبع ہوئی ہیں"

(۱۱) محض ایک جدید شرح صرف مصر میں چھپی ہے۔ پھر قالی کی نامکمل مختصر اور اغلاط سے معمور سوانح عمری لکھی ہے، میں نے ہر چند کہ ماخذ کا ذکر السمط ص۲ پر کر دیا ہے مگر وہ آپ کی نگاہ خورد بین سے اوجھل رہے جو آپ نے اس قدر اغلاط کر ڈالے۔

ص۲۶۸ عبد الرحمٰن الناصر کو والی اندلس بتلاتے ہیں۔

(۱۲) "والی" گورنر کو کہتے ہیں سو یہ بھی ساتھ ہی ساتھ ارقام (اللہ اللہ صحیح رقم) فرما دیتے کہ یہ گورنری بخشی کس نے تھی؟ اس وقت آپ کے تاریخی معلومات کا سمندر تلاطم خیز ہے شاید کوئی موتی اس "غریب مسکین" کے بھی ہاتھ لگ جائے، اور عمر بھر دعائے خیر میں یاد رکھے، واقعہ یہ ہے کہ وہ اندلس کی اسلامی تاریخ میں زبردست ترین بادشاہ اور پہلا امیر المومنین (خلیفہ) تھا جس کے بلانے پر قالی اندلس گئے تھے۔ یہ ہے آپ کی لغت دانی (لغویت):۔

ومن جاھل بی وھو یجھل جھلہ

پھر آج کل کے طلبہ کے یورپ کو بغرض ڈگری جانے کا رونا روتے ہوئے لکھتے ہیں "تاریخ اسلام بلکہ اسلام کے لیے مغرب کی سند مطلوب ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ آئندہ نفس ایمان و اسلام کی سند کے لیے ان کو وہاں جانا پڑے"

(۱۳) گویا پہلے اسلام سے نفس اسلام مراد نہیں تھا بلکہ اس کے ناکارہ اعضاء:۔

واسرع مفعول فعلت تغیرا   تکلف شیٔ فی طباعک ضدہ

قالی کو بادشاہ اندلس حکم کے ولی عہد مستنصر کا اتالیق بتایا گیا۔

(۱۴-۱۶) صل علی! یہ ہمہ[1] دانی اور اس پر یہ دُر افشانی۔ اجی حضرت! یہ بیت[2] یہاں تلاوت فرماتے:۔

فیا موت زر ان الحیاۃ ذمیمۃ   ویا نفس جدی ان دھرک ھازل

(۱) یہ لفظ معارف ۱۳/۲۶۲ کا ہے۔ (۲) جامعہ ۴/۳۱۵۔

نہ کہ مدیر معارف کی حدیث سے غفلت اور بخاری(۱) سے عدم واقفیت پر! ابھی ابھی تو لکھا ہے کہ قالی کو الناصر نے بلایا تھا جس طرح خود قالی نے بھی امالی میں لکھا ہے ہنوز وہی صفحہ ۲۶۸ چل رہا ہے۔ پھر یہ کدھر بہک چلے۔ یہ تین اغلاط ہیں جو آپ کی تاریخ دانی کی ہمیشہ ہمیشہ سند رہینگے:۔

(ا) اُس وقت بادشاہ عبدالرحمٰن الناصر تھا نہ کہ اُس کا ولی عہد حکم (ب) حکم کا کوئی ولی عہد مستنصر نام کا نہیں بلکہ الحکم المستنصر ایک شے ہے جس طرح ابو عبداللہ السورتی ایک ہے۔ (ج) پھر قالی حکم کے عہد ہی میں مرگئے تھے انہوں نے اُس کے ولی عہد کا زمانہ سرے سے پایا ہی نہیں۔ یہ ہے تاریخ و رجال کی مہارت جس کی کمی کا شبلی و سید میں رونا رویا(۲) تھا۔ کیا وہ نہ کہینگے، کیا خوب:

رمتنی بدائها وانسلت کذاک ذو عیب انت عیاب

"القالی کا مغرب میں استقبال کیا گیا"

(۱۷) استقبال تو محض اندلس ہی میں ہوا ہے جو آں سوئے جبل الطارق کو کہتے ہیں۔ مغرب تو تونس کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور اُس کو استقبال اور دعوت سے کوئی علاقہ نہیں۔ "عی ساکت خیر من عی ناطق"۔

اندلس و بغداد کا مقابلہ کرتے ہیں:۔

(۱۸) اے صاحب! یا تو اندلس و عراق کہیئے یا پھر قرطبہ و بغداد۔

قالی کا سرمایہ لغت اور عربیت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

(۱۹) اللہ اللہ! کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ یہ سفید جھوٹ اور یہ طعن و طنز اور یہ تناقض کلام! دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اسی صفحہ ۲۶۸ پر تو لکھا تھا (مایۂ نازادیب ولغوی) اور اگلے

(۱) آپ کی حدیث علی الخصوص بخاری دانی کی قلعی بجواب ص ۲۷۰ و بجواب نمبر ۲۲ کھولی جائیگی۔

(۲) جامعہ ص ۳۱۵ و ۳۱۲ حالانکہ یہ معکوس مہارت اُن کے ہاں بھی کچھ کم نہیں۔

صفحے میں ہے کہ قالی اہل اندلس کو لغت وادب پہنچاتے تھے، اس سے بھی لگے ہیں[۱] امالی کی بابت لکھتے ہیں کہ اُس میں قرآن و حدیث واشعار واخبار ونوادر ہیں، گویا قالی نے بھی شبلی[۱] مرحوم کی طرح اپنے مخصوص فن (لغۃ) کو چھوڑ کر امالی میں وہ تمام علوم بھر دیے ہیں جو اُن کو نہیں آتے۔ تمام مترجمین قالی نے اُس کے تیرہ[۲] اساتذہ حدیث کے نام گنوائے ہیں جن میں سے امام ابوبکر ابن ابی داؤد اور بغوی بھی ہیں محض حدیث کی خاطر دو سال ورودِ بغداد سے پہلے امام ابویعلی کے یہاں موصل میں ٹھہرے رہے۔ اُن کی نحویت کی بابت ضبی[۲] کے لفظ یہ ہیں وکان اعلمهم بعلل النحو علی مذهب البصریین واکثرهم تدقیقاً فی ذلك۔ اور زبیدی کہتے ہیں[۳]۔ وقرأ کتاب سیبویه علی ابن درستویه اجمع واستفسر جمیعه وناظره فیه ودقق النظر وکتب عنه تفسیره وعلل العلة واقام علیها الحجة واظهر فضل مذهب البصریین علی مذهب الکوفیین ونصر مذهب سیبویه علی من خالفه من البصریین ایضاً واقام الحجة له۔ یہ بیان کسی گجراتی کا نہیں بلکہ زبیدی کا جو قالی سے مخصوص تھے ہر چند وہ آسمانِ حدیث ونحو کے سیارے ہی کیوں نہ ہوں مگر آپ سے دو زینے کمتر ہی تھے، گو اُن کے اساتذہ تیرہ[۳] سے زیادہ تھے اور آپ کے اللہ اللہ خیر صلا! پھر بھی وہ آپ کے شمار میں کیسے آئیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ آخر لغت میں اُن کا پلا منقد سے کیوں زیادہ ہے، اُنہوں نے تو جس طرح آگے آئیگا دو مسلّم کتابیں بلا تنبیہ اپنی[۳] امالی میں چُرا کر بلا کم وکاست درج کر دی ہیں، مگر ممکن ہے کوئی بیباک گستاخ بے محابا (خاکم بدہن[۴] بے محاباۃ) سنا دے۔ "پیش ملا حکیم وپیش حکیم ملا وپیش ہر دو ہیچ وپیش ہیچ ہر دو" مگر چونکہ یہ مثل میدانی[۴] میں نہیں اس لیے عرب عرباء کے ہاں قابل شنوائی وپذیرائی نہیں۔ عاجز کہتا ہے ناظرین با تمکین عرب عرباء کی حقیقت سمجھنے کے لیے ایک اور مقالہ کا انتظار فرمائیں کہ آخر الدواء الکی۔

لأبرینك بریا لا انجبار له   انی رأیتك لا تنفك تبرینی

(۱) بروایت سورتی در جامعہ۔ (۲) ص ۲۱۸ (۳) طبقات نسخۂ اصل استنبول ص ۱۳۰ و ۱۳۲ و ۱۳۶۔ (۴) جامعہ ۴ ۲۱۸

"امالی کا نسخہ قرطبہ کی جامع مسجد میں جمعرات کے لیکچروں کا مجموعہ ہے"

(۲۰) کہیں اس کو محض اُردو کی بے ربطی اور ژولیدہ بیانی نہ سمجھا جائے، یہ تو دماغ کی خوبی ہے، عربی میں بھی اسی طرح جلوہ فگن ہے:-

تریدین لقیان المعالی رخیصۃ ولا بدّ دون الشہد من ابر النحل

ص ۲۶۹ "تقریباً ایک صدی یا کچھ کم و بیش علماء میں امالی کا چرچا رہا، پھر یہ کتب خانوں کی زینت بن گئی، تا آنکہ مطبع نے اُس سے پبلک کو روشناس کیا۔"

(۲۱) یہ مورخ بننے کی لاحاصل کوشش ہے، ورنہ امالی بھی جملہ ادبی کارناموں کی طرح قدردانوں کے ہاتھوں میں ہمیشہ رہی ہے۔ خود اٰلیٔ امالی کے ڈیڑھ سو برس بعد لکھی گئی ہے۔ اگر امالی کے قدردان ختم ہو گئے تھے، تو پھر بکری نے آخر یہ دردسری کیوں کی۔ تقریباً اسی زمانہ کے ابن حزم و حمیدی بھی ہیں جنہوں نے اس کو بہت سراہا ہے۔ موجودہ نسخۂ امالی اندلسیہ مکتوبہ ۴۸۶ھ (دار الکتب المصریہ) پر قرن پنجم و ششم کے ادبائے اندلس ابوالولید الوقشی اور ابومروان بن سراج وغیرہ کے قیمتی حواشی ہیں۔ دیکھو السمط ۳۴۶ و ۴۳۲ پھر ششم سے لے کر تا این دم (قرن چہاردہم) کے تو بیسیوں نسخے جا بجا ملتے ہیں اور نظر سے بھی گذر چکے ہیں کیا یہ نسخے امالی کی قدردانی کی دلیل نہیں ہیں۔ آپ کو تو خود اعتراف ہے کہ ہشتم کے مغلطائی نے تو اٰلی پر "القدح العالی" لکھی ہے۔ یہ ہے آپ کے معلومات کا بحرِ زخّار:-

یصیب وما یدری ویخطی وما دری وکیف یکون النوک الا کذلکا

(باقی آئندہ)

(۱) نسخۂ استنبول ص ۱۳۱۔